© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

ایک سمپوزیم۔ ہمدرد انسٹی ٹیوٹ میں

سید جلال الدین عمری

۲۸ر فروری ۱۹۸۷ء کو انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی کے شعبۂ قانون کے تحت ایک بڑا اچھا سمپوزیم ہوا۔ منتخب اور چیدہ افراد تھے۔ سنجیدہ ماحول تھا اور گفتگو علمی نوعیت کی تھی۔ جس سمپوزیم یا سمینار میں یہ خوبیاں جمع ہوں اسے کامیاب ہی کہا جاسکتا ہے۔ نازک اور پیچیدہ مسائل پر کسی سمپوزیم یا سمینار میں متعین نتیجہ تک پہونچنا مشکل ہوتا ہے، لیکن بحث اور گفتگو ٹھنڈی فضا میں ہو تو مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، نئے گوشے کھلتے ہیں، معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور غور و فکر میں آسانی ہوتی ہے۔ میرے خیال میں اس سمپوزیم سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا۔

سمپوزیم میں تین موضوعات زیر بحث تھے۔

۱۔ اعضا کی پیوند کاری (ORGAN TRANSPLANTING)

۲۔ خودکشی کا حق (RIGHT TO DIE)

۳۔ جذبۂ رحم سے کسی مریض کو ختم کردینا۔ اسے اصطلاح میں EUTHANASIA کہا جاتا ہے۔

سمپوزیم کے دو سیشن ہوئے۔ ایک صبح دس بجے سے ڈیڑھ بجے تک اور دوسرا ڈھائی بجے سے ساڑھے چار بجے تک۔ پہلے سیشن میں ان مسائل پر دستور ہند کی روشنی میں بحث ہوئی۔ ان کے سماجی اور اخلاقی پہلو بھی فطری طور پر بحث و تمحیص کا موضوع بنے۔ دوسرے سیشن میں ان مسائل پر اسلام کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا۔ پہلے سیشن کی صدارت جسٹس وی ایس دیش پانڈے (V. S. DESH PANDE) سابق چیف جسٹس دہلی ہائی کورٹ نے کی اور دوسرے سیشن کی صدارت جناب یونس سلیم صاحب سابق مرکزی وزیر حکومت ہند نے فرمائی۔ شرکا میں زیادہ تر قانون کے اساتذہ اور وکلاء تھے۔ اجلاس کے روح رواں پروفیسر طاہر محمود تھے جو خود بھی ایک ماہر قانون داں ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب اوصاف علی صاحب شروع سے آخر تک اجتماع میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریک رہے اور پوری دلچسپی لی ۔ اس موقع پر میں ذاتی طور پر محترم سید امین الحسن رضوی صاحب کا شکر گزار ہوں انہی کی محبت اور اصرار کی وجہ سے سمپوزیم میں شرکت کا موقع ملا اور ان سے علمی تعاون بھی حاصل ہوا۔ یہاں خودکشی کے حق اور EUTHANSIA سے متعلق چند باتیں عرض کرنی ہیں۔

خودکشی کو عام طور پر اخلاقی لحاظ سے غلط اور ناپسندیدہ جرم سمجھا جاتا رہا ہے۔ قانوناً بھی اسے ایک جرم ہی خیال کیا گیا ہے۔ لیکن ادھر ایک عرصہ سے یہ دونوں باتیں زیر بحث آچکی ہیں۔ اور یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص زندہ رہنا نہیں چاہتا تو کیا اسے اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ختم کر دے ؟ کیا خودکشی کوئی جرم اور ناپسندیدہ عمل ہے ؟

تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۳۰۹ کے تحت خودکشی کوئی جرم نہیں ہے۔ البتہ اقدام خودکشی جرم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خودکشی کر بیٹھے تو اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں ہوگا البتہ خودکشی کا اقدام کرے اور اس میں ناکام رہے تو اس پر قانونی گرفت ہوگی۔ اس پر بھی بہت سے قانون دانوں کو اعتراض ہے۔

ادھر بمبئی ہائی کورٹ نے ایک مقدمہ کے سلسلے میں یہ فیصلہ دیا کہ آدمی کو دستوری طور پر زندگی کا حق ملا ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ جب چاہے اسے ختم بھی کر سکتا ہے۔ اس فیصلہ سے اس بحث میں جان پڑ گئی اور اس پر مختلف پہلوؤں سے گفتگو شروع ہو گئی۔ اسی فیصلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص معاشی وسائل سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنی زندگی کو ختم کر رہا ہے وہ کسی جرم کا ارتکاب نہیں کر رہا ہے اسٹیٹ جب کسی کی کفالت نہیں کر سکتی تو اسے مرنے سے بھی روکنے کا اسے حق نہیں ہونا چاہئے۔

ہندوستان میں مینو مسانی صاحب (MINOO MASANE) اس کے بڑے وکیل سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ایک انٹرویو میں کہتے ہیں :

I believe that every human being is a Sovereign person and he alone has the right to choose whether to live or die society cannot decide for him

میں سمجھتا ہوں کہ ہر انسان ایک بااقتدار شخصیت کا مالک ہے، لہٰذا تنہا اسی کو یہ طے کرنے کا حق بھی حاصل ہے کہ اسے زندہ رہنا ہے یا ختم ہو جانا ہے۔ اس کے بارے میں سوسائٹی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسانی صاحب نے مسئلہ کے صرف ایک پہلو کو دیکھا ہے اور دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلو پر غور نہیں کیا ہے۔ وہ ہے اس کا سماجی اور معاشرتی پہلو، اسے کوئی بھی قانون نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ انسان اپنی ذات پر غیر مشروط اور مطلق حق رکھتا ہے اور معاشرہ کو اس پر کسی قسم کی پابندی یا شرط لگانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ فوجداری کے ایک مشہور وکیل فیروز صاحب (Phiroze.R) نے صحیح کہا ہے۔

Human life is as precious to the state as it is to its holder and the state can not turn a blind eye to a person's attempt to kill him self.

زندگی ریاست کے لیے بھی اتنی ہی قیمتی ہے جتنی کہ خود اس کے حامل فرد کے لیے، لہٰذا کوئی شخص اپنے آپ کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ریاست اس سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔

اگر خودکشی کی اجازت دے دی جائے تو اسے بہت سی سماجی ذمہ داریوں سے بچنے کا ذریعہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص مختلف اداروں سے قرض حاصل کرے اور اسے ادا نہ کرنا چاہے تو خودکشی کر سکتا ہے یا انشورنس کے دعویٰ کے لیے یہ اقدام ہو سکتا ہے۔ اس سے سیاسی فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے مرن برت رکھا جاتا ہے اور خودسوزی کی جاتی ہے۔ خودکشی اگر جائز ہو تو ستی کی رسم پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔

EUTHANSIA جسے ہم جذبۂ رحم سے قطع حیات کہہ سکتے ہیں، کے سب سے بڑے مبلغ ہیں DEREK HUMPRY ان کا ایک انٹرویو انڈین ایکسپریس میں چھپا ہے۔ اس کے بعض خاص نکات ہم یہاں پیش کر رہے ہیں تاکہ مسئلے کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

ہمفری کی بیوی کینسر میں مبتلا تھی۔ مرض کے آخری مرحلے میں جب تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک معاہدہ کے تحت جو دونوں کے درمیان پہلے ہو چکا تھا، اسے زہریلی شراب (LEATHAL COCK TAIL) پلا کر ختم کر دیا گیا۔ اس واقعہ کا ہمفری کے ذہن پر خاص اثر ہوا اور وہ EUTHANASIA کا وکیل بن گیا۔ اس موضوع پر اس نے جینس وے (JEAN'S - WAY) کے عنوان سے کتاب لکھی۔ اس کے بعد اس نے دوسری شادی کی اور میاں بیوی دونوں نے کلوفورنیا (امریکہ) میں سکونت اختیار کر لی۔ ہمفری کی یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اس کی آمدنی سے میاں بیوی نے ۱۹۸۰ء میں HEMLOCK SOCIETY قائم کی۔ اسی موضوع پر اس کی دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب LET ME DIE BEFORE I WAKE چھپی برطانیہ میں تو اس پر پابندی تھی لیکن امریکہ میں یہ خوب پڑھی گئی۔ پھر اپنی بیوی کے ساتھ مل کر اس نے ایک تیسری کتاب لکھی جس کا عنوان تھا

THE RIGHT TO DIE UNDER STANDING EUTHANASIA

اس مسئلے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں جدید طب کافی ترقی کر چکی ہے اور علاج معالجہ کی سہولتیں بھی، خاص طور پر ترقی یافتہ ممالک میں بہت پائی جاتی ہیں، لیکن اس سے بعض اہم مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

۱۔ ایسے مریض بھی ہیں جو اسپتالوں میں بستروں پر پڑے ہوئے ہیں، اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہیں کر سکتے۔ نلکیوں کے ذریعہ انھیں غذا دی جا رہی ہے اور وہ اسی سے زندہ ہیں۔

۲۔ ایک مسئلہ زیادہ عمر تک زندہ رہنے کا ہے۔ بڑھاپے کی بیماریوں نے پیچیدہ صورت حال پیدا کر دی ہے۔ دواؤں کی مدد سے آدمی مہلت حیات بڑھا سکتا ہے اور مزید دس پندرہ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن اس کی ذہنی اور دماغی حالت صرف ڈو برس کے بچے کی ہوگی۔ امریکہ میں ڈھائی ملین (۲۵ لاکھ) افراد اس صورت حال سے دوچار ہیں۔ اندازہ ہے کہ آئندہ ایسے لوگوں کی تعداد دس ملین تک پہونچ جائے گی۔

۳۔ امریکہ کی ایک میڈیکل رپورٹ کے مطابق وہاں دس ہزار سے زیادہ افراد مستقل بے ہوشی (COMA) کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں اور انھیں دواؤں اور آلات کے ذریعہ زندہ رکھا گیا ہے۔ اس طرح ماڈرن میڈیسن 'آدھے آدمیوں' کی ایک نسل تیار کر رہی ہے، جن کا جسم تو موجود ہے لیکن دماغ غائب ہے۔

اس طرح کے لوگوں کے لیے ہمفری EUTHANASIA یا قطعِ حیات کا مشورہ دیتے ہیں EUTHANASIA کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ ACTIVE EUTHANASIA اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مریض کے صحت یاب ہونے کی توقع ہی نہ ہو اور ڈاکٹر مایوس ہو جائے تو اسے مہلک دواؤں کے ذریعہ ختم کر دیا جائے۔ اسے عام طور پر قتل کے مماثل ہی سمجھا جاتا ہے، لیکن بعض عالمی شہرت رکھنے والے ڈاکٹر اسے بھی قانونی جواز دینے کے حق میں ہیں۔

۲۔ PASSIVE EUTHANASIA اس کا مطلب یہ ہے کہ مریض کا ڈاکٹروں کی رائے میں جب شفایاب ہونا ناممکن ہو اور محض آلات اور دواؤں سے اس کی سانس کی آمد و رفت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقی رکھی جا سکتی ہو تو یہ آلات ہٹا دیئے جائیں اور دوائیں بند کر دی جائیں تاکہ وہ سکون سے اس دنیا سے رخصت ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ جارج پنجم کے ساتھ یہی عمل کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں مینو مسانی صاحب اس کے بڑے وکیل اور ترجمان ہیں۔ ان کی صدارت میں Society for right to die with dignity قائم ہے۔

ہمفری اسی Passive Euthanasia کے حامی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس طرح کا قانون بن جائے تو مریض کے رشتہ دار اور ڈاکٹر اس سے غلط فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس کا سدباب کیا ہوگا؟ اس کا جواب ہمفری نے یہ دیا ہے:

It is an agreement between a patient and his doctors and leaves no room for faimlies to manoeuvre.

یعنی یہ سارا معاملہ ڈاکٹر اور مریض کے درمیان ہوگا۔ رشتہ داروں کی سازش کے لیے اس میں کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

اس کی صورت انھوں نے یہ تجویز کی ہے کہ آدمی صحت کی حالت میں جب کہ وہ ذہنی طور پر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہو ایک تحریر لکھ دے کہ اگر وہ بیماری کی ایک خاص حد کو پہونچ جائے تو ڈاکٹر مرنے میں اس کی مدد کرے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس طرح کا قانون بن جائے تو کیا دھاندلی نہیں ہوگی اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اس کا علاج بھی قانون ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں بعض حالات میں مریض خود چاہتا ہے کہ جب اسے مرنا ہی ہے تو موت کا عمل تیز تر ہو جائے، اسی کے لیے Euthanasia ہے۔ لیکن یہ بہر حال ضروری نہیں ہے۔ کسی کو اس کا پابند نہیں بنایا جائے گا۔

بہت سے انسان اپاہج اور معذور پیدا ہوتے ہیں۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں کیا ان کو بھی اسی طرح ختم کر دیا جائے، اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ قانون اس طرح کے معذوروں اور مجبوروں کے لیے نہیں ہے۔

ہمفری نے جو سوسائٹی قائم کی ہے امریکہ میں اس کے پندرہ ہزار ممبر ہیں۔ اس میں زیادہ تر پچاس برس سے زیادہ عمر کے لوگ ہیں۔ خاص طور پر اس کی ممبر وہ عورتیں ہیں جو اپنے کسی قریبی عزیز یا محبوب شخصیت کو تکلیف کے ساتھ مرتے دیکھ کر متاثر ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس کی مخالفت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام طور پر رومن چرچ اور بنیاد پرست لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہے۔

Euthanasia کی حمایت میں تین سو سائٹیاں قائم ہیں۔ ان میں سے تین سو سائٹیاں امریکہ میں ہیں ان میں بھی دو تہائی تعداد Active Euthanasia پر یقین رکھتی ہے۔

Passive Euthanasia کی تائید میں مہاراشٹر اسمبلی میں ۱۹۸۵ء میں پروفیسر S.S Varde نے ایک غیر سرکاری مسودۂ قانون پیش کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جو مریض ڈاکٹروں کی رائے میں کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ اس کا بچنا ممکن نہ ہو یا اسے ایسی کوئی جراحت پہونچی ہو اور وہ بحالت ہوش اپنی آزاد مرضی سے اس خواہش کا اظہار کرے کہ دواؤں کی مدد سے اس کا عرصۂ حیات طویل نہ کیا جائے تو اس کے معالجوں کو اختیار ہوگا کہ وہ ایسی دوائیں دینا بند کردیں جو اس کے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھ سکتی ہیں۔ تاکہ وہ جلد اس تکلیف سے نجات پاسکے۔ اس صورت میں اس کے معالجین پر کوئی دیوانی یا فوج داری ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔ اس مسودۂ قانون میں اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے تو بحالت صحت اپنی اس خواہش کو قلم بند کردے کہ اگر آئندہ کبھی وہ اس نازک صورت حال سے دوچار ہو تو اس کے ساتھ یہ عمل کیا جائے۔ اس مسودۂ قانون کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے گشت کروایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے ساتھ بہت سی اخلاقی سماجی اور قانونی پیچیدگیاں موجود ہیں ان کے وکیل بھی انھیں پوری طرح حل نہیں کرسکے ہیں[1]۔

مرض کی وجہ سے آدمی خودکشی کرے یا کوئی دوسرا اسے اپنی زندگی کو ختم کرنے میں مدد دے، اسلام کے نزدیک دونوں ہی صورتیں ناجائز ہیں۔ راقم الحروف نے اسی موضوع پر ہمدرد انسٹی ٹیوٹ کے سمپوزیم میں مقالہ پیش کیا تھا۔ یہ مقالہ تحقیقات اسلامی کے اسی شمارہ میں شائع ہو رہا ہے۔

---

[1] اس مضمون کی تیاری میں حسب ذیل اخبارات سے مدد لی گئی ہے

1. Indian Express 26.10.86
2. " 28.10.86
3. Express Magazine 7.12.86
4. Mid day 4.12.86
5. The week 9.10.86

© rasailojaraid.com